OPEN ACCESS: http://theislamicculture.com

The Islamic Culture
Bi-Annual Research & Refereed Journal
Published by
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi
SZIC
الثقافة الإسلامية
ISSN (Print) : 1813-775X
ISSN (Online) : 2663-1709

ہندوستان کے دینی تعلیمی نظام میں اصلاح کی ضرورت: افکار شبلی کا تجزیاتی مطالعہ

The Need for Reform in the Religious Education System of India: An Analytical Study of Shibli's Ideas

Dr. Waris Mateen Mazhari
Assistant Professor, Jamia Hamdard,
New delhi, India

ڈاکٹر وارث متین مظہری
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی

Abstract:

The debate over the reform in madrasas in the Indian subcontinent has been around for almost last one and a half centuries. In this respect, Shibli's name after Sir Syed is very significant in the sense that his views are very moderate and comprehensive. On the one hand, he emphasizes the need to reform the madrassa curriculum, and on the other, he does not want its Islamic and Eastern identity to be affected. He thinks that a curriculum must be formulated which, according to him, has one part Eastern and the other Western. This paper is an analytical study of Shibli's thought regarding madrasa curriculum reform and will try to see what its rationality

and significance are in the present time. The first part of the article examines Shibli's ideas regarding the curriculum of the madrasa system. While in the second part, their detailed features have been discussed, which are inclusion of modern subjects in the curriculum, reforms in teaching methods and other aspects.

Keywords: Madrassa reform, Madrassa syllabus, western education, religious education.

دور جدید میں سرزمین ہند سے جو یگانہ اور عبقری شخصیات پیدا ہوئیں اور جن کے افکار نے اس خطے میں اسلام کے فکری رجحانات پر وسیع اور گہرے اثرات و نقوش مرتسم کیے، ان میں شبلی نعمانی (م، ۱۹۱۴ء) کا نام سر فہرست ہے۔ شبلی ایک جامع الصفات اور کثیر الجہات شخصیت کا نام ہے۔ جس کے اندر مختلف اور بظاہر متضاد سمجھی جانے والی خوبیاں اور اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ چناں چہ وہ شاعر و ادیب، متکلم، منطقی، مورخ، سیرت نگار اور ماہر تعلیم سبھی کچھ تھے۔ ان سبھی میدانوں میں انہوں نے اپنے فکر و قلم کی جولانیاں دکھائیں اور اپنی منفرد شناخت قائم کی۔ تاہم ان تمام صفات و خصوصیات میں ان کی بنیادی اور جامع صفت یہ تھی کہ وہ ایک اسلامی مفکر تھے۔ ان کا عصری اور دینی شعور اپنے معاصرین سے بہت زیادہ بلند تھا اور اس کے اظہار و تعبیر میں تناسب و توازن پایا جاتا تھا۔ ان کی شخصیت قدیم و جدید کا سنگم تھی۔ گویا اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک "جدیدیت پسند روایتی عالم و دانش ور" تھے۔ اسلام کی فکری اور تعلیمی تاریخ کا مطالعہ جس گہرائی و دور بینی کے ساتھ انھوں نے کیا تھا، اس کا جو تجزیاتی شعور وہ رکھتے تھے؛ حقیقت یہ ہے کہ خطۂ ہند میں پچھلے ڈیڑھ دو سو سالوں میں علما کی صفوں میں اس کی مثال بہ مشکل ہی مل سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ زمانے کے انقلابات اور عالم اسلام سے باہر خصوصاً یورپ کی تعلیمی سرگرمیوں اور تعلیم و تدریس کے میدان میں ہونے والی ترقیات و تجربات سے بھی ایک حد تک آشنا تھے۔ ان کی فکر کی ساخت دین کے عمیق شعور اور حالات و رفتار زمانہ سے مکمل آگہی سے عبارت تھی۔ اس جامعیت اور اعتدال فکر کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ نہ تو سرسید کی طرح یورپ کے تہذیبی و علمی عروج کی چکاچوند سے مرعوب ذہن رکھتے تھے اور نہ عام روایتی علما کی طرح اس کی قابل تقلید و اتباع خوبیوں کا بھی اعتراف نہ کرنے والی زبان۔

شبلی کی فکر کا ایک پہلو ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم ہے۔ ان کا ایقان تھا کہ جدید دور میں مسلمانوں کو جس چیز نے دوسری قوموں کے مقابلے میں تہذیبی زوال کی سرحدوں پر لا کھڑا کیا ہے، وہ تعلیم کے میدان میں ان کی پس ماندگی ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے جب تک تعلیم کے میدان میں خاطر خواہ پیش رفت نہ ہو، اس وقت تک وہ تہذیبی ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہو سکتے اور نہ ہی دین و دنیا کے حوالے سے عالمی سطح پر وہ اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ وہ تعلیم کو مسلمانوں کی ترقی کی اساس اور اس کا پہلا زینہ تصور کرتے تھے۔ اپنی مختلف تحریروں میں وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی پسماندگی پر آنسو بہاتے نظر آتے ہیں۔ ۱۸۹۲ میں روم وشام اور مصر کے اپنے سفر میں ترکی اور مصر کی تعلیمی حالت زار کو دیکھ کر جو دکھ انہیں ہوا، اس کا انہوں نے بڑے کرب کے ساتھ اظہار کیا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ کل دنیائے اسلام میں تعلیم کا طریقہ ایسا ابتر اور ذلیل ہو گیا ہے کہ چند درسی کتابوں کے سوا لوگوں کو کسی قسم کی جدید معلومات کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی جس کا یہ نتیجہ ہے کہ جدت اور ایجاد کا مادّہ قوم سے مسلوب ہوتا جاتا ہے اور جس قدر کہیں کہیں کچھ رہ گیا ہے، آئندہ اس کی بھی امید نہیں۔"(۱)

اس سفر میں خاص طور پر انہوں نے تعلیمی سرگرمیوں اور اس کے مناہج ورجحانات پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ لائبریریوں، مدارس ومکاتب اور کتب فروش کی دکانوں کی خاک چھانتے رہے۔ تاکہ وہ ان سے استفادہ اور ہندوستان کے علمی حلقوں کو اس سے آگاہ کر سکیں۔ شبلی کا ذہنی افق بہت وسیع تھا۔ ان کے اندر اضطراب کی حد تک علوم وافکار کی دنیا کے ارتقائی رجحانات سے باخبر رہنے کی خواہش پائی جاتی تھی۔ اس لیے یورپ اور اسلامی دنیا کے مختلف حصوں سے منظر عام پر آنے والی بہت سی کتابوں کے علاوہ نایاب مخطوطات تک ان کی نہ صرف رسائی تھی بلکہ ان سے استفادہ کرنے والوں میں وہ سرفہرست تھے۔

شبلی نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ اس لحاظ سے پر آشوب تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم برطانوی استعمار کی زد میں آکر بکھر چکا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کی طرف سے تعلیم وتعلم کی جو سرگرمیاں پائی جاتی تھیں ان پر قدامت وفرسودگی اس حد تک غالب آچکی تھی کہ جن سے عصری تقاضوں کے مطابق نئی نسل کے دماغوں کی پرورش اور ان کی فکری پرداخت کی توقع ممکن

نہیں تھی۔ اس لیے ان کی فکر کا محور ایک طرف قدیم نظام تعلیم کو بر قرار و متحرک رکھنے کی کوشش کرنا تھا تو دوسری طرف اس میں جدید علوم و مضامین کی قلم لگا کر اسے زیادہ مفید و نتیجہ خیز اور قوم و ملت کے حق میں ثمر آور بنانا۔

دینی مدارس کے نظام و نصاب میں اصلاح کی ضرورت: شبلی کا نقطہ نظر

موجودہ دور میں مدارس کے نصاب و نظام تعلیم میں اصلاح کی ضرورت کا غلغلہ تمام علمی و فکری حلقوں میں پایا جاتا ہے جن میں خود مدارس کا حلقہ بھی شامل ہے۔ اب اس حقیقت کو بڑے پیمانے پر تائید و قبول حاصل ہو چکا ہے کہ دینی مدارس کے تعلیمی نظام و نصاب میں اصلاح وقت کا اہم تقاضا ہے جس کے بغیر نہ تو فکر اسلامی کے قافلے کو ترقی کی راہ مستقیم پر گامزن رکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی عمل اسلامی (Islamic activism) کے معاصر تقاضوں اور چیلنجوں سے اس کے بغیر عہدہ بر آ ہونا ممکن ہے۔ دیکھا جائے تو ایک صدی پیشتر شبلی کا ذہن ان حقائق تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ اس کی دلیل ان کے خطبات اور مقالات و مکاتیب ہیں جو علمی حلقوں میں متداول ہیں۔ اس تعلق سے ایک اہم مضمون جو ان کی تعلیمی فکر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، ''مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم'' ہے جسے انہوں نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس میں ۱۸۸۷ میں پڑھا تھا۔(۲) اور اب وہ مقالات شبلی (حصہ سوم) میں شامل ہے۔ اس مضمون کے ذریعے، جو بعد میں کتابی صورت میں بھی اشاعت پذیر ہوا، انہوں نے تعلیم کے حوالے سے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ خود ان کا ان کے لیے ایک اہم ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدیدیت سے مرعوب ہو کر انہیں اپنے ماضی سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہیے اور اس سے خوشہ چینی کرتے ہوئے احساس کمتری کے خول سے باہر نکل کر خود اعتمادی کے ساتھ علمی میدانوں میں قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

شبلی تعلیم کو ایک کلی حیثیت دیتے تھے اور فی نفسہ ہر مفید تعلیم کو قوم کے لیے یکساں طور پر ضروری تصور کرتے تھے۔ وہ آج کے روایت پرست علما کی طرح اس بات کے روادار نہیں تھے کہ تعلیم کے ایک نظام کو دوسرے تعلیمی نظام کی قیمت پر اہمیت دی جائے۔ البتہ وہ یہ ضرور سمجھتے تھے کہ نظام تعلیم جو بھی ہو اس کی اساس مذہب پر مبنی نظریۂ حیات و کائنات (world-views) پر ہونی چاہیے۔ مذہب سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف انسانی تجربات و مشاہدات کو اہمیت دینے والی معاصر مغربی فکر غیر متوازن اور انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے۔ لیکن خود مذہب پسند یا علما کے طبقے کا یہ رویہ بھی اسلام کی روح سے ہم آہنگ نہیں کہ 'دنیا کے حسنات' کو ترک

کے صرف 'دین کے حسنات' کے حصول تک خود کو محدود کر لیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ اسلام پر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بعض طبقات میں یہ غلط خیال پھیل گیا کہ دین و دنیا کو بہم نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے مولانا جلال الدین رومی (م، ۱۲۷۳ء) پر اپنی تمام تر عقیدت کے با وجود اس بنیاد پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ دنیا سے تعلق رکھنے کے ساتھ خدا سے وصال و قربت کی خواہش محض دیوانگی ہے۔(۳) حالاں کہ قرآن میں دین کے ساتھ دنیا کے حصے کو فراموش نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: لاتنس نصیبک من الدنیا (القصص:۷۷) اور دین و دنیا دونوں کے خیر کو جمع کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ (البقرہ:۲۰۱) شبلی جس طرح گروہ علما سے توقع رکھتے تھے کہ وہ جدید علوم سے نفرت کی روش ترک کر کے اس کے حصول پر توجہ مرکوز کریں، اسی طرح انگریزی داں طبقے سے ان کا مطالبہ تھا کہ انہیں دین سے دوری کی روش اختیار نہیں کرنی چاہیے:

"آج کل مسلمانوں میں دو گروہ جدا جدا ہو گئے ہیں۔ قدیم تعلیم یافتہ یہ خیال کر کے کہ دین میں مشغول ہونے سے وہ دنیا کو کسی طرح حاصل نہیں کر سکتے، محض دین میں منہمک ہو گئے ہیں اور جدید تعلیم یافتہ یہ خیال کر کے کہ وہ دنیا کے درپے ہو کر دین میں کمال حاصل نہیں کر سکتے، محض دنیوی تعلیم میں سرگرم پائے جاتے ہیں"(۴)

شبلی کو علما سے شکایت تھی کہ انہوں نے تعلیم کے مقاصد کو بہت زیادہ محدود کر دیا ہے۔ ان کی نظر میں دینی تعلیم کا تصور محض نماز روزہ کی حد تک سمٹ کر رہ گیا ہے۔ باقی معاملات سے انہوں نے اس خیال کے ساتھ بے پروائی اور کنارہ کشی کی روش اختیار کر لی ہے کہ انہیں اس میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔(۵)

شبلی مدارس کے قدیم نظام تعلیم کے ہی پروردہ تھے۔ اس لیے وہ اس کا عملی تجربہ بھی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اصلاح نصاب کے حوالے سے نہایت معتدل اپروچ رکھتے ہیں۔ وہ ایک طرف جدید تعلیم کے حامی ہیں تو دوسری طرف اسی کے ساتھ وہ شدت کے ساتھ قدیم مذہبی تعلیم کے نظام کو استوار و پائدار رکھنے پر زور دیتے نظر آتے ہیں اور اس کے بنیادی ڈھانچے میں کمزوری اور بکھراؤ کو ملت کے بنیادی اثاثے کا زیاں تصور کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"میں اگرچہ نئی تعلیم کو پسند کرتا ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں تاہم پرانی تعلیم کا سخت حامی ہوں اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی قومیت قائم رہنے کے لیے پرانی تعلیم ضروری اور سخت ضروری ہے"۔ (۶)

حقیقت یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے علمی فکری زوال کا سب سے اہم سبب ''نصاب تعلیم کے نقص'' کو تصور کرتے تھے۔ اس کا انھوں نے برملا اظہار کیا ہے۔(۷) ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے قیام کی بنیادی وجہ رائج نصاب تعلیم کی اصلاح تھی۔ شبلی اپنی مختلف تحریروں میں بار بار اس کا اعادہ کرتے ہوئے ندوہ کے ارکان وذمہ داران اور قوم کے افراد کو اس پر ابھارتے نظر آتے ہیں۔ (۸)۱۹۰۷ میں ندوے میں جلسۂ دستار بندی کے موقع پر کی گئی اپنی تقریر میں وہ کہتے ہیں:

''اسلام سے لے کر آج تک ہر زمانے میں ضرورت کے موافق مذہبی تعلیم کا نصاب بدلتا آیا ہے۔ آج بھی ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم موجودہ زمانے کی ضرورت کے موافق بدلا جائے اور یہی چیز ہے جس کے نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہندوستان میں سینکڑوں ہزاروں عربی مدرسے موجود ہیں لیکن ان سے قوم کی مذہبی ضرورتیں بالکل رفع نہیں ہوتیں۔(۹)

شبلی کا ذہن مجتہدانہ تھا۔ غزالی اور ابن تیمیہ کی طرح ان کے اندر روایت سے اوپر اٹھ کر غور وفکر کا حوصلہ تھا۔ ان کے لیے یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہ محض قدیم روایت کو مذہبی نظریات کا بدل تصور کرلیں اور اس سے بغاوت کو جرم ٹھہرائیں۔ علما اور عوام کی صفوں میں پائے جانے والے اس مرض کے شبلی ہمیشہ شاکی رہے۔ ایک طرف وہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذریعے علما کی بے قدری اور ان کا مذاق اڑائے جانے پر اپنے ملال اور کڑھن کا اظہار کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ اسی شدت کے ساتھ علما سے عصری تقاضوں کو سمجھنے اور اپنے اندر تبدیلی لانے کی اپیل کرتے ہیں:

''قوم کی زندگی کا بہت بڑا حصہ اب بھی علما ہی کا حق ملکیت ہے اور وہی اس حصے کی فرمان روائی کے کامل الاختیار ہیں یا ہوسکتے ہیں''۔ (۱۰)

سماج کے ضروری تقاضے علما سے وابستہ ہیں لیکن علما کی کوتاہ فکری نے انھیں اس قابل نہیں رکھا۔ اس کوتاہ فکری کی وجہ شبلی کی نظر میں نظام تعلیم کا ہی نقص ہے۔ شبلی یہ سوال کرتے ہیں کہ:

''علما موجودہ زمانے کے کون سے مذہبی مہمات انجام دے سکتے ہیں؟ کیا وہ فلسفۂ حال کے اعتراضات کے، جو مسلمانوں پر وارد ہوتے ہیں، واقف ہیں۔ انھوں نے۔۔۔ کسی غیر زبان کی تعلیم حاصل کی ہے؟ کیا وہ اسلامی تاریخ کے ماہر ہیں؟۔۔۔۔''(۱۱) اس لیے وہ آہ سرد کھینچتے ہوئے علما سے آنکھیں کھولنے اور تعلیمی نظام کو از سر نو مرتب کرنے کی درخواست کرتے ہیں:

"اے حضرات علما جبکہ دوسری قومیں خود ہمارے علوم وفنون میں ایسی عجیب وغریب کوششیں کر رہی ہیں۔۔۔ تو کیا ہم کو اسی پر قناعت کرنی چاہئے کہ ایک محدود کورس کی چند کتابیں پڑھائی جائیں اور تمام عمر اسی محدود دائرے میں بند پڑے رہیں"۔(۱۲)

مولانا شبلی نے جس شدت کے ساتھ قدیم نصاب کی خامیوں کو آشکارا کرتے ہوئے نئے نصاب کی ضرورت پر زور دیا، اس کی وجہ سے ان کی بعض حلقوں میں مخالفت بھی کی گئی لیکن جب ندوۃ العلماء کے ذریعہ نئے نصاب کے اچھے نتائج سامنے آئے تو مخالفت کا زور کم ہوتا چلا گیا اور بہت سے مدارس نے اصلاحات کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ وقت کی آواز تھی۔ اکثر معاملات میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ پہلے روایت سے اختلافی روش اختیار کرنے کی مخالفت کی جاتی ہے لیکن پھر جب حوصلہ افزا نتائج سامنے آتے ہیں تو شکوے کی زبان ستائش کی زبان بن جاتی ہے اور اعتراض وتنقید تحسین میں بدل جاتی ہے۔ مولانا شبلی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

۔۔"۔انھوں نے ایسے پرزور مضامین لکھے اور تقریریں کیں جن سے یہ ثابت ہو کہ ہماری عربی تعلیم کا پرانا نصاب اصلاح کا محتاج ہے اور ہمارے علما کو زمانہ کی نئی ضرورتوں کا احساس ہونا چاہئے۔ شروع شروع میں ہر نئی تحریک کی طرح اس کی بھی مخالفت کی گئی اور شدید مخالفت کی گئی مگر جب لکھنؤ میں دارالعلوم کی بنیاد ڈال دی گئی اور اس کے نتائج سامنے آئے تو رفتہ رفتہ مخالفت کی آواز دھیمی پڑتی گئی اور مولانا کے تلامذہ کے ہاتھوں حیدرآباد سے بہاول پور تک اور خاص طور سے صوبہ ہائے متحدہ اور بہار کے مدرسوں اور ڈھاکہ اور حیدرآباد کے مشرقی ودینی شعبوں میں عظیم الشان اصلاحات ظہور پذیر ہوئیں۔ یہاں تک کہ اب صوبہ متحدہ کی مقدس مذہبی درس گاہوں تک اس کے اثرات پہنچ رہے ہیں"۔(۱۳)

شبلی نے اصلاح نصاب کے تقریباً تمام اہم پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ مختصر طور پر ان کے نظام تعلیم کی اصلاح کے خاکے کو دو بڑے عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: نصاب کی اصلاح، طریقہ تعلیم کی اصلاح:

نصاب میں اصلاح کی ضرورت

شبلی کی نظر میں نصاب کی اپنی کوئی قدر نہیں ہے۔ اصل قدر اس سے حاصل ہونے والے ہدف کی ہے۔ اس لیے اس ہدف کے حصول کے لیے ہر زمانے میں اس کے ڈھانچے میں تبدیلی ناگزیر ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اموی، عباسی اور اس کے بعد اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں نصاب تعلیم میں اصلاح و تبدیلی کا عمل جاری رہا ہے۔(۱۴) ان کی نظر میں ہر دور کے اپنے تقاضے اور مطالبات ہوتے ہیں جن سے چشم پوشی کر کے کوئی قوم اپنی دینی و قومی ضروریات کی تکمیل نہیں کر سکتی۔ اس کی فکر زنگ آلود ہو کر اپنی اصل چمک اور عصری مطالبات سے ہم آہنگی کی صلاحیت کھو دیتی ہے۔ ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے قیام کو وہ اس لحاظ سے سنگ میل کی حیثیت دیتے تھے۔ اس کے ذریعے انہیں توقع تھی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلیمی ڈھانچے میں تعمیری اور مثبت تبدیلی آسکے گی اور ملت کے حق میں اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو سکے گا۔ چناں چہ شبلی ندوہ کی اپنی معتمدی کے پورے عرصے میں اس کی انتھک جدوجہد میں مشغول رہے۔ لیکن ان کو اس باب میں صرف جزوی کامیابی ہی حاصل ہو سکی۔ وہ ندوہ کو ایک مکمل اسلامی یونی ورسٹی کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے اور اسی کو ندوہ کا اصل نصب العین خیال کرتے تھے۔ ایک ایسی یونی ورسٹی جس میں "اعلی درجے تک اسلامی علوم پڑھائے جائیں"۔ یہاں سے علوم وفنون کے ماہرین پیدا ہوں، "یوروپین علوم کی تعلیم کا کافی بندوبست" ہو۔ جس کے ذریعے جدید علم کلام کی تشکیل کی جا سکے۔ اس کے فضلا میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ "وہ انگریزی زبان میں وعظ اور لکچر دے سکیں"۔(۱۵)

تبدیلی نصاب سے متعلق فکر شبلی کے اہم اور بنیادی نکات یہ ہیں:

۱۔ نصاب میں اکثر وہ کتابیں شامل ہیں جن میں صرف لفظی مباحث پر زور ہے۔ ۲۔ ایسی کتابیں داخل ہیں جن میں مختلف علوم وفنون کو باہم مخلوط کر دیا گیا ہے۔ مثلاً منطق کی کتابوں میں الہیات اور الہیات کی کتابوں منطق وبلاغت۔ ۳۔ علوم آلیہ کو علوم عالیہ کی جگہ دے دی گئی ہے۔ چناں چہ نحو وصرف، منطق وبلاغت اصل مقصود نہیں ہیں لیکن اس میں سالہا سال صرف ہو جاتے ہیں اور نتیجے میں کوئی صاحب فن پیدا نہیں ہوتا(۱۶)۔ ۴۔ ایسی کتابیں درس میں رکھی جانی چاہییں جن میں تمام مسائل وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہوں۔ ان کی عبارتیں ایسی مغلق اور چیستاں نہ ہوں کہ ان کو سمجھنا دشوار ہو جائے۔ ۵۔ قرآن کی تعلیم کا حصہ نہایت کم ہے۔ تفسیر

جلالین وبیضاوی اس مقصد کے لیے کافی نہیں(۱۷)۔۶۔ادب کا حصہ بہت کم ہے۔۷۔قدیم علم کلام کے ذریعے موجودہ فکری چیلنجوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے۔(۱۸)۔۸۔اختصاصی تعلیم کو رواج دینے کی ضرورت ہے۔(۱۹)

طریقۂ تعلیم وتدریس میں اصلاح کی ضرورت

شبلی طریقۂ تعلیم کی اصلاح کو نظام تعلیم کی اصلاح کا لازمی جز تصور کرتے تھے۔انہوں نے اس پہلو پر بھی تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"طرز تعلیم میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اصل فن کے بجائے کتاب کے ساتھ زیادہ اعتنا کی جاتی ہے۔اصل مسئلے کی تحقیق کی بجائے زیادہ وقت اس امر میں صرف کیا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ کس عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔اور اس عبارت سے کیا کیا احتمالات پیدا ہوتے ہیں وغیرہ" (۲۰)

حقیقت یہ ہے کہ یہ صورت حال ایک صدی گزر جانے کے باوجود روایتی مدارس میں ہنوز موجود ہے۔مضمون بجائے اصل زور متن کی تفہیم پر دیا جاتا ہے۔اس وقت برصغیر ہندو پاک میں طریقہ تعلیم کے لحاظ سے سب سے بڑا نقص یہی ہے۔شبلی بتاتے ہیں کہ ملا نظام الدین، بانی درس نظامی کتابی خصوصیتوں کا چنداں لحاظ نہیں رکھتے تھے بلکہ کتاب کو ایک ذریعہ قرار دے کر وہ اصل فن کی تعلیم کو مرکز توجہ بناتے تھے۔(۲۱) شبلی نے اس بات پر زور دیا کہ متعدد علوم وفنون کی تحصیل میں، ان کے الفاظ میں؛"الاقدم فالاقدم" کا خیال کیا جائے یعنی جو فنون مقصود بالذات نہیں ہیں ان کے حصول میں زیادہ وقت اور جو مقصود بالعرض ہیں ان میں کم وقت خرچ کیا جائے۔علم کی تحصیل میں سب سے مقدم یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس فن کی جو غایت ہو وہ حاصل ہو۔(۲۲)اس ذیل میں ایک اہم اور قابل توجہ بات ان کی نظر میں یہ ہے کہ ایک مدرس کو مختلف مضامین کی تدریس کی ذمہ داری نہ دی جائے بلکہ ہر مضمون کی تدریس کی ذمہ داری ایسے شخص کو دی جائے جو اس فن میں اختصاصی مہارت رکھتا ہو۔(۲۳)

اس طرح شبلی کے نزدیک دینی نظام تعلیم کی اصلاح میں ان دونوں پہلوؤں کو جب تک پیش نظر نہ رکھا جائے، مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہ تمام نکات نہایت اہم ہیں۔ ہم نے اختصار کے پیش نظر متعلقہ اقتباسات سے گریز کیا ہے۔ ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شبلی کی نظر میں تبدیلی نصاب کا جامع خاکہ کیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ سو سال گزر جانے کے باوجود اس حوالے سے شبلی کے خیالات و تجاویز کی معنویت نہ صرف باقی ہے بلکہ اس میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ آج بھی مدارس کے نصاب و نظام میں تبدیلی گفتگو انہی نکات کے محور پر گھومتی نظر آتی ہے۔

جدید تعلیم سے متعلق شبلی کا نقطہ نظر

جدید تعلیم سے متعلق شبلی کے نقطہ نظر میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا جس کی شکایت بہت سے دوسرے ان اصحاب فکر و نظر کے یہاں پائی جاتی ہے جو ملی سیاست کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیمی پالیسی طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا خیال تھا معاصر دینی اور موجودہ تمدنی تقاضوں سے اس وقت تک عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں ہے، جب تک کہ جدید علوم کو بھی مدارس کے نصاب میں شامل نہ کیا جائے۔ شبلی کے تعلیمی نظریات میں اس بات کی جھلک نظر نہیں آتی کہ دینی اور دنیاوی کے عنوان سے علم میں کسی تفریق کو روا رکھنے کی کوشش کی جائے۔ ان کا واضح نقطہ نظر یہ تھا کہ دونوں ہی قسم کے علوم کی ضرورت ہے اور دونوں ہی ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔ علما و اصحاب دانش کی شخصیت اس وقت تک کامل و مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ علم کی ان دونوں شاخوں سے بہرہ ور نہ ہو۔ علما کی اکثریت کل بھی اور آج بھی نصاب تعلیم میں جدید علوم کی شمولیت سے متعلق اس خوف کا اظہار کرتی ہے کہ طلبہ کے اذہان پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اس سے ان کے عقائد میں تزلزل آجائے گا اور وہ ان میں شک کا شکار ہو جائیں گے۔ اس لیے طلبہ کو ان سے دور رکھنا ہی طلبہ کی ایمانی صحت کے لیے بہتر ہے۔ شبلی اس منفی طرز فکر کو پسند نہیں کرتے تھے اور اس رویے کو اپنی ذمہ داریوں کی ادائگی سے پہلو تہی کی نفسیات پر محمول کرتے تھے۔ ان کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ علما ''ان علوم کو اپنے علوم بنالیں''۔ ان کو اپنی سرپرستی اور حمایت میں لے لیں۔ جب تک وہ ایسا نہیں کریں گے مسلمانوں میں ان علوم سے متعلق نفرت اور مخالفت باقی رہے گی اور اس کا نقصان امت کو برداشت کرتے رہنا پڑے گا۔

جدید علوم کے حصول کو وہ اس لیے بھی ضروری تصور کرتے تھے کہ ان کی نظر میں اس کے بغیر طالب علم کے اندر یہ صلاحیت و استعداد پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ مغربی دانشوروں کی طرف سے اسلام پر ہونے والے اعتراضات و تنقیدات کا جواب دے

سکیں۔(۲۴)وہ نہایت جرأت کے ساتھ اپنے اس ملال کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنے چھ سو سالہ دور اقتدار میں مساجد و مقابر تو قائم کیے لیکن کوئی ایسی دانش گاہ قائم نہیں کی جو ان صفات و جامعیت کی حامل ہو۔(۲۵)۔ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ہم نے بار بار کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لیے نہ صرف انگریزی مدرسوں کی تعلیم کافی ہے، نہ قدیم عربی مدرسوں کی۔ ہمارے درد کا علاج ایک معجون مرکب ہے جس کا ایک جز مشرقی اور دوسرا مغربی ہے"۔(۲۶)

قدیم و جدید اسلامی تعلیمی نظام پر بصیرت کی نگاہ رکھنے والی شبلی کی طرح ایک دوسری شخصیت مولانا مناظر احسن گیلانی (م،۱۹۵۶ء) کی ہے، جن کی اس موضوع پر کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" کو شہرت دوام حاصل ہے۔ مولانا نے اس کتاب کی جلد دوم میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ: دینی اور عصری علوم کے عنوان سے جو تفریق موجودہ نظام تعلیم میں پیدا ہو گئی ہے۔اس کا نقصان اس شکل میں سامنے آیا ہے کہ مسٹر اور ملا کے دو باہم مقابل و مخالف گروہ مسلم سماج میں پیدا ہو گئے ہیں۔اور ان دونوں گروہوں کے درمیان کش مکش اور باہمی رقابت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔اس طرح مسلم سماج خواہی نخواہی دو لخت ہو کر رہ گیا ہے۔(۲۷)حقیقت یہ ہے کہ شبلی نے اس حقیقت کا ادراک بہت پہلے کر لیا تھا۔وہ مذہبی و عصری علوم کے حاملین کے درمیان کشاکش کو دین و ملت کے حق میں نہایت خطرناک اور تباہ کن تصور کرتے تھے۔اور اس خلیج کو پاٹنے اور اس فاصلے کو ختم کرنے کے لیے قدیم علوم کے ساتھ جدید علوم کی پیوند کاری لازمی سمجھتے تھے۔قدیم صالح اور جدید نافع کا امتزاج ہی ان کی نگاہ میں اصل مقصد کے حصول کی بنیاد تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی اہمیت کے ساتھ پیش نظر رہنی چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر روشن خیالیوں کے باوجود اس بات کے قطعاً روادار نہیں تھے کہ جدید علوم کے حصول میں مذہبی تعلیم کا کسی بھی درجے میں نقصان برداشت کیا جائے:

" میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے اور میں مضبوطی سے اس پر قائم ہوں کہ مسلمان مغربی علوم میں گو ترقی کے کسی رتبہ تک پہنچ جائیں لیکن جب تک ان میں مشرقی تعلیم کا اثر نہ ہو، ان کی ترقی مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جاسکتی۔بے شبہ مشرقی تعلیم کی جو موجودہ اسکیم ہے، وہ نہایت ابتر اور غیر ضروری ہے، لیکن اسی تعلیم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو مسلمانوں کی قومیت کی روح ہیں اور جس تعلیم میں اس روحانیت کا مطلق اثر نہ ہو وہ مسلمانوں کے مذہب، قومیت، تاریخ کسی چیز کو بھی زندہ نہیں رکھ سکتی"۔(۲۸)

دراصل علی گڑھ تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں کے تجدد پرست اور مغرب پسند طبقے میں اس رجحان کو تقویت حاصل ہوتی جارہی تھی کہ مذہبی یا مشرقی تعلیم کا نظام ترقیات کے حصول میں سخت رکاوٹ ہے۔اس لیے کسی تاویل اور پس پیش سے کام لیے بغیر مسلمانوں کو ماضی کی تعلیمی روایت سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے جدید مغربی کے نظام کو اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔شبلی نے اس نقطہ نظر کو پوری وضاحت و دلائل کے ساتھ اپنی تنقید کا نشانہ بنایا لیکن اس میں کہیں بھی جذباتیت کو راہ نہ دی بلکہ عقل و منطق کی زبان ہی استعمال کی۔وہ لکھتے ہیں:

"اگر یورپ کو بایں دنیا طلبی پادریوں کی حاجت ہے۔اگر آریوں کو بہ ایں انگریزی خوانی گروکل کی ضرورت ہے تو مسلمانوں کو بھی عربی تعلیم اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک مسلمانوں کی قوم کا باقی رہنا ضروری ہے"۔(۲۹)

خلاصہ کلام وسفارشات:

شبلی کے تعلیمی نظریات کی معنویت تقریبا سو سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود اب بھی باقی ہے۔ان کے تعلیمی افکار و نظریات میں جو توازن و تناسب اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہ ان کے معاصرین میں مفقود نظر آتی ہے۔وہ علی گڑھ اور دیوبند دونوں کے نظریات اور عملی تجربات سے مطمئن نہیں تھے۔ان کی نظر میں یہ دونوں ہی تجربے دو انتہاؤں پر مبنی ہیں۔امت مسلمہ کے درد کا علاج ان کے الفاظ میں "ایک معجون مرکب ہے جس کا ایک جز مشرقی اور دوسرا جز مغربی" ہے۔(۳۰) شبلی کے تعلیمی نظریات میں وہ زندگی اور توانائی آج بھی برقرار ہے جو کل اس کی خصوصیت تھی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے تعلیمی تصورات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے۔ہندوستان میں امت مسلمہ کی تعلیم کے میدان میں ترقی و کامرانی کی شاہ کلید شبلی کا تجویز کردہ یہی نسخہ ہے۔ضرورت ہے کہ دینی مدارس کے نصاب و نظام میں اصلاح سے متعلق شبلی کے افکار و تجاویز کو بحث و مباحثے کا موضوع بنایا جائے۔

حواشی وحوالہ جات

شبلی نعمانی: سفر نامہ روم و مصر و شام، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص ۸۴

۲۔ مولانا سید سلیمان ندوی: حیات شبلی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء، ص، ۱۵۹

۳۔ شبلی نعمانی: خطبات شبلی، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ص، ۸۸

۴۔ ایضاص،۸۸

۵۔ ایضاص،۲۹

۶۔ سفر نامہ روم و مصر و شام ص،۶۷

۷۔ شبلی نعمانی: مقالات شبلی جلد سوم، دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۵۵، ص،۱۲۸

۸۔ ایضاص،۱۲۶

۹۔ خطبات شبلی ص،۶۰

۱۰۔ ایضاص،۳۰

۱۱۔ ایضاص،۶۲

۱۲۔ ایضاص،۴۶

۱۳۔ حیات شبلی، ص،۱۸

۱۴۔ خطبات شبلی ص،۱۸

۱۵۔ ایضاص،۱۰۱

۱۶۔ مقالات شبلی جلد سوم ص،۱۲۳

۱۷۔ خطبات شبلی، ص،۲۰

۱۸۔ ایضاص،۲۴

۱۹۔ ایضاص،۲۷

۲۰۔ مقالات شبلی، جلد سوم، ص،۱۲۹۔۱۳۰

۲۱۔ ایضاص،۲۰

۲۲۔ ایضاص،۱۲۹

۲۳۔ خطبات شبلی ص،۴۹

۲۴۔ ایضاص،۹۰

۲۵۔ ایضاص،۹۱

۲۶۔ ایضا، ص،۱۶۳

۲۷۔ مناظر احسن گیلانی: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد ۲، مکتبہ الحق، ممبئی، ۲۰۰۷، ص،۴۰۴

۲۸۔ سفر نامہ روم و مصر و شام، ص،۶۶

۲۹۔ مقالات شبلی ص،۱۴۸

۳۰۔ ایضا، ص،۱۶۳

Bibliography

1-Shibli Nomani: Travelogue of Rome and Egypt and Syria, Darul Musnafin, Shibli Academy, Azamgarh

2- Maulana Syed Sulaiman Nadvi: Hayat Shibli, Darul Musnafin Shibli Academy, Azamgarh

3-Shibli Nomani: Sermons of Shibli, Darul Musnafin, Shibli Academy, Azamgarh

4- Safar Namah Room wa Masroosham

5-Shibli Nomani: Articles Shibli Volume III, Darul Musnafin, Shibli Academy, Azamgarh

6- Ahsan Gilani: The System of Education and Training of Muslims in India Volume 2, Maktab-ul-Haq, Mumbai

7-Travelogue of Rome and Egypt and Syria